خاکہ نگاری میں توصیفی منہاجات

(خطۂ بہاول پور کی خاکہ نگاری کے تناظر میں)

Descriptive ways in sketching

(In the contex of sketching of Bahawalpur region)

ڈاکٹر سائرہ ارشاد

لیکچرر شعبۂ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

ڈاکٹر عاصمہ غلام رسول

اسسٹنٹ پروفیسر/کوآرڈینیٹر، شعبہ پنجابی گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر محمد سلمان بھٹی

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو ایجوکیشن یونیورسٹی لاہور

Abstract

In non-fiction, sketching is considered an important genre of prose. Sketching is the full expression of any person's outward appearance. It is called "sketch or portrait" in English literature. In Urdu literature, many sketchers tried their hand at this genre. Sketching was not only popular in the Bahawalpur region but also many important sketchers came forward. Apart from Masood Hassan Shehab, Mohammad Kazim, Ataullah Awan, Syed Anis Shah Jilani and Haider Qureshi, many other sketchers are continuing this creative journey. Undoubtedly, this genre not only succeeded in asserting itself in the region but also led to the expansion of many excellent sketches of Urdu literature.

Keywords: Embellishment, personal self-deprecation, demeanor, subtle humor, sincerity, mental camaraderie

تلخیص: غیر افسانوی ادب میں خاکہ نگاری ایک اہم صنفِ نثر شمار کی جاتی ہے۔ خاکہ کسی بھی شخص کے ظاہر و باطن کا بھرپور اظہار ہے۔ اسے انگریزی ادب میں "اسکیچ یا پورٹریٹ" کہا جاتا ہے۔ اردو ادب میں کئی خاکہ نگاروں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ خطۂ بہاول پور میں خاکہ نگاری نہ صرف مقبول عام رہی بلکہ کئی اہم خاکہ نگار سامنے آئے۔ مسعود حسن شہاب، محمد کاظم، عطاء اللہ اعوان، سیّد انیس شاہ جیلانی اور حیدر قریشی کے علاوہ دیگر کئی خاکہ نگار اس تخلیقی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

بلاشبہ یہ صنف نہ صرف اس خطے میں اپنے آپ کو منوانے میں کامیاب رہی بلکہ کئی عمدہ خاکے اردو ادب کا دامن وسیع کرنے کا باعث بنے۔

کلیدی الفاظ: حلیہ نگاری، شخصی خدوخال، دشنام طرازی، لطیف مزاح، بے تکلفی، ذہنی رفاقت

نثری ادب میں خاکہ نگاری ایسی صنف قرار دی جاتی ہے جو کسی شخص کی داخلی و خارجی تصویر پیش کرتے ہوئے اس کا مکمل تعارف بن جائے۔ اُردو ادب میں یہ صنف انگریزی ادب سے وجود میں آئی۔ یہ انگریزی لفظ Sketch یا Pen Portrait کے متبادل ہے۔ اس میں شخصی خدوخال اور ذات میں موجود نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ابوالاعجاز فاروقی لکھتے ہیں:

"ادب کی جس صنف کے لیے انگریزی میں سکیچ یا پن پورٹریٹ (Pen Portrait) کا لفظ استعمال ہوتا ہے اُردو میں اسے خاکہ کہتے ہیں۔"[۱]

اُردو ادب میں خاکہ نگاری کی ابتدائی شکل قدیم تذکروں میں ملتی ہے۔ ان تذکروں میں شخصی معلومات کے حوالے سے مختصر سوانح، نمونۂ کلام اور کلام کی خوبیاں و خامیاں شامل ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر بشیر سیفی اس حوالے سے بیان کرتے ہیں۔:

"خاکہ پورٹریٹ کا نہیں سکیچ کا درجہ رکھتا ہے۔"[۲]

خاکہ نگاری کو نثر کی غزل کہا جاتا ہے۔ غزل میں مختصر انداز سے اشاروں، کنایوں اور علامتوں کے ذریعے اظہارِ خیال کیا جاتا ہے جب کہ معانی و مفاہیم میں بے پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح خاکے میں بھی اختصار کے اندر بے پناہ وسعت کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ خاکہ نگار شخصیت کی مختلف کیفیتوں کے علاوہ اس کی ذات میں چھپے ہوئے اسرار کا بھی سراغ لگاتا ہے اس لیے ایسی شخصیت کا انتخاب ضروری ہے جس میں دوستی، عقیدت، ذہنی رفاقت، بے تکلفی اور ذاتی تجربات شامل ہوں۔ اس حوالے سے محمد طفیل لکھتے ہیں۔:

"شخصیت سے آگاہی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی دبے پاؤں چھپی ہوئے شخصیت میں اُتر جائے۔"[۳]

انسان خیر و شر کا مرقع ہے۔اس میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔خاکہ نگار بغیر کسی تعصب کے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقیقی پہلوؤں کو مد نظر رکھے ورنہ خاکہ خوبیوں کی بدولت مدحیہ مضمون بن جائے گا اور خامیوں کے اظہار سے دشنام طرازی کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔بقول ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔:

"خاکے میں لطیف مزاح اور نکتہ آفرینی ضروری ہے۔"[۴]

حلیہ نگاری خاکے کا اہم وصف شمار کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے بعض خاکہ نگار خصوصی توجہ دیتے ہیں جب کہ بعض ظاہری شخصیت کی بجائے باطنی کردار اُجاگر کرتے ہیں۔خاکے کے لیے مخصوص اسلوب متعین نہیں کیا جاسکتا تاہم اس میں خاکہ نگاروں کا اندازِ بیاں انفرادیت پیدا کرتا ہے۔طنز و مزاح سے بھرپور ہلکے پھلکے انداز میں بھی خاکے لکھے گئے ہیں جب کہ سنجیدہ نوعیت کے خاکوں کی بھی اپنی جگہ الگ پہچان ہے۔

سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی[1] کی شخصی خاکوں پر مشتمل کتاب "مشاہیر بہاول پور" میں پہلا سوانحی خاکہ نواب سر صادق محمد خاں خامس کے بارے میں ہے۔ نواب صاحب بہاول پور کے آخری فرماں رواں تھے۔ سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی نواب صاحب کی معاملہ فہمی، تدبر اور دور اندیشی کو بے پناہ سراہتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے حوالے سے نواب صادق عباسی کے کردار کو کسی صورت فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان کی نوزائیدہ حکومت کے لیے نواب صاحب نے فوری طور پر قائداعظم ریلیف فنڈ میں پانچ لاکھ روپے بھجوائے۔ نواب صاحب نے اپنی ریاست میں نہ صرف مہاجرین کو خوش آمدید کہا بلکہ انھیں بے شمار سہولتوں سے نوازا۔نواب صاحب کی خود داری کے بارے میں سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی رقم طراز ہیں۔:

---

[1] سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی ۰۲ / اکتوبر ۱۹۲۲ء کو سیّد منظور حسن رضوی کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دہلی سے حاصل کی جب کہ ادیب فاضل اور بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز انڈین آرمی میں ایجوکیشن انسٹرکٹر کے طور پر کیا جب کہ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں بطور اطلاعات آفیسر ذمہ داری انجام دی۔ مسعود حسن شہاب نے ہفت روزہ "الہام" اور ادبی رسالے "الزبیر" کا اجراء کیا۔ انہوں نے شعر و ادب، تاریخ اور صحافت میں خود کو منوایا۔ ان مصروفیات کے باوجود سیاست میں بھی پیش پیش رہے۔ ان کا شمار ہمہ جہت شخصیت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ مسعود حسن شہاب دہلوی کی سوانحی خاکوں پر مبنی کتاب "مشاہیر بہاول پور" میں ان شخصیات کو شامل کیا گیا ہے جو قیامِ پاکستان سے قبل ادبی و سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہیں۔

"ایک دفعہ صدر ایوب نے دوسرے لوگوں کے ساتھ انھیں بھی کوئی بڑا اعزازی تمغہ دینے کا اعلان کیا اور اس کے لیے جو تقریب سرکاری طور پر منعقد ہوئی اس میں انھیں مدعو کیا۔ نواب صاحب نے اس تقریب میں جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ان کی حیثیت فرماں روا کی ہے۔ اس لیے انھیں حکومت کچھ دینا چاہتی ہے تو صادق گڑھ پیلس آکر دے۔ چناں چہ صدر ایوب جب بہاول پور کے دورے پر آئے تو صادق گڑھ پیلس میں آکر انھیں اعزازی تمغہ دیا۔"[۵]

شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کے سوانحی خاکے میں سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی ان کے علم و حکمت کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس حوالے سے چند واقعات کے ذریعے مولانا صاحب کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی حلیہ نگاری اس طرح کرتے ہیں:

"دیو قامت، بارُعب چہرہ، لمبی گھنی داڑھی، بالا پوش زیب تن، سر پر عمامہ، نام غلام محمد تھا لیکن شیخ الجامعہ کا عہدہ ان کی ذات سے ایسا پیوست ہوا کہ یہ نام کا لازمی جزو بن گیا۔"[۶]

سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی نے ان تمام سوانحی خاکوں میں اُن شخصیات کو شامل کیا ہے جو قیامِ پاکستان سے قبل ادبی و سیاسی سرگرمیوں میں مصروف تھیں۔ چناں چہ قیامِ پاکستان کے بعد ان کی کوششوں اور بھاگ دوڑ کو بے پناہ سراہا گیا ہے جس سے سابقہ ریاست بہاول پور کے امور اور انتظامات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بلاشبہ "مشاہیر بہاول پور" بہاول وپر کی نایاب ہستیوں کے متعلق معلومات کی فراہمی کا اہم ذریعہ ہے۔ چناں چہ اس کتاب کی تاریخی اہمیت اور شخصیت نگاری کے حوالے سے پائی جانے والی انفرادیت سے کسی صورت انکار ممکن نہیں۔ سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی حالاتِ زندگی کے علاوہ نجی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کرتے ہیں تاہم یہ کتاب قاری کو تابناک ماضی اور بہاول پور کی روایت کے بارے میں آگاہ کرتی ہے۔

محمد کاظم[2] کا پہلا خاکہ "ماڈرن قلندر" کے عنوان سے ۱۹۶۶ء کو رسالہ "فنون" میں چھپا جب کہ ان کی کتاب "باتیں اور یادیں" کے منتخب خاکوں میں بھی اسے شامل کیا گیا ہے۔ محمد کاظم کے انداز میں افسانوی رنگ نمایاں ہے نہایت خوب صورت منظر کشی کے ذریعے خاکے کا آغاز کیا گیا ہے۔ یہ خاکہ مختار احمد مفتی کے بارے میں ہے جن کا تعلق بہاول پور سے تھا۔ مختار احمد مفتی درجہ اوّل مجسٹریٹ تھے جب کہ ان کے مزاج میں شگفتگی کا عنصر نمایاں تھا۔ محمد کاظم اپنے دوست کے بارے میں ماضی کی یادیں بیان کرتے ہیں۔

کالج کا عرصہ گزارنے کے سولہ برس بعد محمد کاظم، مختار احمد صدیقی سے ملاقات کرتے ہیں تو اس کی جسمانی تبدیلی پر حیران رہ جاتے ہیں۔ محمد کاظم اس خاکے میں نہایت عمدہ انداز میں حلیہ نگاری کرتے ہیں۔:

> "کالج کے زمانے کا مختار ایک ناٹے قد کا گول مول قصبائی وضع کا لڑکا تھا۔ شلوار قمیض پہنتا اور اپنے گول سر اور خشخشے بالوں کے ساتھ یوں لگتا جیسے مسجد میں پڑھتے پڑھتے کالج میں چلا آیا ہو۔"[۷]

دو دوستوں کی زمانۂ طالب علمی سے گہری دوستی کا سفر اگرچہ کچھ عرصے کے لیے بظاہر ختم ہو گیا لیکن اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے بعد جب دوبارہ رابطہ ہوا تو فاصلہ لمحوں میں سمٹ گیا۔ محمد کاظم اپنے دوست کے رویے اور عادات و اطوار کو نہایت خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔ یہ خاکہ مسلسل تجسّس میں مبتلا کرتا ہے۔

محمد خالد اختر کے شخصی خاکے میں محمد کاظم ان کے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی میں واقع خوب صورت گھر اور خالد اختر کی حلیہ نگاری کو عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوست کی بطور ادیب قدر و قیمت کا نہ صرف تعین کرتے ہیں بلکہ پُر ملال بھی ہیں کہ زمانہ اس کی صلاحیتوں کو ماننے سے انکاری ہے۔ اس کی وجہ محض حسد اور کم مائیگی ہو سکتی ہے۔ تاہم خالد اختر ایک ادبی سچائی ہیں

---

[2] محمد کاظم ۱۴/ اگست ۱۹۲۶ء کو احمد پور شرقیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمود شاہ تھا۔ محمد کاظم نے ابتدائی تعلیم احمد پور شرقیہ اور پھر بہاول پور سے حاصل کی جب کہ ۱۹۴۴ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کی اور پاکستان کے پانی و بجلی کے ترقیاتی ادارے سے بحیثیت چیف انجینئر ریٹائر ہوئے۔ محمد کاظم ۸/ اپریل ۲۰۱۴ء کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ خاکہ نگاری کے حوالے سے ان کی کتاب "یادیں اور باتیں" نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

جنھیں کسی صورت جھٹلایا نہیں جاسکتا۔احمد ندیم قاسمی کے خاکے میں محمد کاظم اُن کے ادبی زمانے کا تعین کرتے ہیں۔ محمد کاظم واقعات کے ذریعے 'فنون' میں ہونے والی ادبی سرگرمیوں کے دلچسپ ماحول کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے قاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

''خاکہ نگاری کا ایک وصف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے تفصیل کی بجائے اجمال کی آب وہوا زیادہ راس آتی ہے۔''[۸]

محمد کاظم اسلوب نہایت عمدہ اور دلچسپ ہے۔وہ ایک خاص ترتیب سے خاکہ بیان کرتے ہیں۔جملوں کو چست اور دل کش انداز میں بیان کرنے سے قاری کی دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔

پروفیسر عطاء اللہ اعوان[3] کے خاکوں پر مبنی کتاب کا نام ''ندیمانِ جمال'' ہے۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے خاکے میں پروفیسر عطاء اللہ اعوان احمد پور شرقیہ میں ان سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں۔ان کی حلیہ نگاری ان الفاظ میں کی گئی ہے۔:

''قاضی جی کا چہرہ کھلی کتاب کی مانند تھا، پیشانی کشادہ تھی، آنکھیں روشن تھیں، ناک
ان کے چہرے پر خوب جچتی تھی، بڑی مقفّٰی و مسجّع شرعی داڑھی تھی۔''[۹]

''ندیمانِ جمال'' میں شامل خاکے معیار کے لحاظ سے انتہائی عمدگی کا نمونہ لیے ہوئے ہیں۔انھوں نے اپنے قریبی دوستوں کا نہ صرف حلیہ بیان کرکے خوبیوں اور خامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس انداز میں خاکہ نگاری کی کہ گویا سب کردار اپنی خصوصیات کے ہمراہ جلوہ گر ہوگئے۔ اندازِ بیاں سادہ اور بے ساختگی پر مبنی ہے۔ پروفیسر عطاء اللہ اعوان مختصر واقعات کے ذریعے خاکے کو طوالت کی جانب نہیں لے جاتے بلکہ اختصار کی وجہ سے خاکے میں قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔خطۂ بہاول پور کی اہم شخصیات کے حوالے سے معلومات پر مبنی یہ خاکے ایک منفرد پہچان کے حامل ہیں۔انھوں نے کمال مہارت سے ان خاکوں کو عمدہ انداز میں تحریر کیا ہے۔

بشیر بیتاب[4] کی خاکوں پر مبنی کتاب ''میری کہکشاں'' میں پہلا خاکہ عبدالعزیز خالد سے متعلق ہے۔بشیر بیتاب عبدالعزیز خالد کی وفات پر افسردہ دکھائی دیتے ہیں اور ان کی شاعرانہ عظمت کو بے پناہ سراہتے ہوئے مختلف اشعار تحریر کرکے عبدالعزیز خالد

---

[3] خاکہ نگاری میں پروفیسر عطاء اللہ اعوان کو اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔وہ یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو چاہ نظام والا موضوع حاصل پور لاڑ میں پیدا ہوئے۔ ۶/نومبر ۱۹۶۸ء صادق ایجرٹن کالج بہاول پور میں بطور لیکچرار ملازمت اختیار کی۔ان کے خاکوں کا مجموعہ بعنوان ''ندیمانِ جمال'' اپنی اہمیت منوا چکا ہے۔

[4] بشیر بیتاب ۲۲/جنوری ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میاں امانت علی تھے۔ بشیر بیتاب کا اصل نام بشیر احمد ہے جب کہ ''بیتاب'' تخلص ہے۔بشیر بیتاب لیاقت پور کے نامور شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

کے فن کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ جب کہ شاعر کے حالاتِ زندگی اور عادات واطوار کو یکسر فراموش کیا گیا ہے جس کی بناء پر یہ خاکہ کم اور مضمون کی صورت زیادہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اسی طرح منیر نیازی کو بشیر بیتاب بحیثیت شاعر متعارف کرواتے ہیں تاہم ان کی نجی زندگی اور عادات واطوار کے متعلق تفصیل فراہم نہیں کی گئی۔ اس خاکے میں مصنف کی منیر نیازی سے عقیدت ومحبت کا بھرپور تاثر ملتا ہے۔

کردار نگاری خاکے کا بنیادی جزو ہے۔ اسی طرح خاکہ نگاری میں شخصی پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تاہم بشیر بیتاب کا زیادہ تر انحصار شخصیت کے بچھڑ جانے کے بعد افسردگی پر مبنی ہے۔ خاکہ اگر کسی مثبت یا منفی پہلو کو اُجاگر کرے تو ضروری ہے کہ اس حوالے سے جان دار الفاظ منتخب کیے جائیں اور شخصیت کی بھرپور عکاسی کی جائے تاہم بشیر بیتاب خاکہ لکھتے ہوئے اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ وہ خود کتنی اپنائیت اور عقیدت رکھتے ہیں جب کہ شخصی خصوصیات کہیں پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔ یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا شخصیت کا تعلق محض خاکہ نگار کے ساتھ تھا اور اس کا بچھڑنا بھی انہی کو افسردہ کر گیا جب کہ ہر خاکے میں یہی تاثر دینا خاکہ نگاری میں کمزور پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔

بشیر بیتاب نے کئی خاکوں میں عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف خود سے وابستہ ملاقات کو ہی شامل کر کے خاکہ مکمل کر لیا۔ شخصیت کے نمایاں خدوخال سامنے آئے اور نہ ہی قاری سمجھ پایا کہ آخر اس قدر خاکوں کو یکجا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خاکے مختصر اور برائے نام خصوصیات کے حامل ہیں۔ چند ایک خاکوں میں وضاحت ملتی ہے جو کہ ناکافی ہے لیکن زیادہ تر خاکے ان کی دوستی کا ترجمان بنے ہوئے ہیں۔ بے شمار دوستوں کے خاکے لکھنے کے باوجود خاکہ نگاری کے اصول وضوابط کو مکمل طور پر پس پشت ڈال دیا گیا

تصانیف:

۱۔ بیتی رُت کا حساب (شاعری)

۲۔ حروف زد (شاعری)

۳۔ اُداس موسم (شاعری)

۴۔ دو آبہ سے۔۔۔ (شاعری)

۵۔ ڈونگے زخم ہجر دے (پنجابی شاعری)

۶۔ میری کہکشاں (خاکے)

یہی وجہ ہے کہ ان خاکوں میں قاری کی گہری دلچسپی قائم نہیں رہتی بلکہ بے شمار شخصیات کو مختصراً بیان کرنے سے خاکے کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔

سیّد انیس شاہ جیلانی[5] کے خاکوں کا مجموعہ ''آدمی غنیمت ہے'' میں ''مریض غم کا قصۂ مختصر'' کے عنوان سے پہلا خاکہ عبدالمجید حیرت شملوی کے بارے میں ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے ۱۹۶۲ء میں ہجرت کی اور لاہور آباد ہوئے جب کہ کچھ عرصہ سکھر میں بھی گزارا۔ شاہد احمد دہلوی کے مزاج میں ٹھاٹ باٹ کی ایک وجہ ان کے داداڈپٹی نذیر احمد تھے اور وہ چاہتے تو ڈپٹی نذیر احمد کے حالاتِ زندگی کو تفصیل سے لکھ سکتے تھے تاہم انھوں نے اس حوالے سے یہ کہہ کر سب کو خاموش کرادیا کہ ڈپٹی نذیر احمد کے بارے میں ضرورت سے زیادہ بے تکلفی اختیار نہیں کی جاسکتی جب کہ:

''کمزوریوں کو بیان کرنے کا مقصد شخصیت کی تحقیر و تذلیل نہیں بلکہ اس کی اصل فطرت کو آشکار کرنا ہے۔''[۱۰]

ڈپٹی نذیر احمد نے نہ صرف ضلعی حاکم کے طور پر خود کو منوایا بلکہ علم وادب کا بھی درخشاں ستارہ کہلائے۔

سیّد انیس شاہ جیلانی شاہد احمد دہلوی کی خاکہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''گنجینۂ گوہر'' میں محاوروں، ضرب الامثال اور دِلّی زبان کی چاشنی میں تمام خاکے ایک سے بڑھ کر ایک لکھے گئے تاہم سیّد انیس شاہ جیلانی، شاہد احمد دہلوی کے خود پر لکھے گئے خاکے کو ناکام قرار دیتے ہیں کیوں کہ انھوں نے اپنے بارے میں واضح مؤقف اختیار نہیں کیا۔

---

[5] سیّد انیس شاہ جیلانی محمد آباد موضع بیگ مہر تحصیل صادق آباد میں ۲۳ / اکتوبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ سیّد انیس شاہ جیلانی مبارک اُردو لائبریری کے سرپرست تھے۔

تصانیف:

۱۔ سفر نامہ مقبوضہ ہندوستان ۲۔ آدمی غنیمت ہے

۳۔ آدمی، آدمی انتر ۴۔ خطوط مولانا غلام رسول مہر

۵۔ دیوانِ حیرت شملوی ۶۔ کاغذی پیرہن

۷۔ نوازش نامے ۸۔ محفلے دیدم

۹۔ معاصرین مبارک ۱۰۔ مڑ دنگ

۱۱۔ مہاندراڈیکھینس

رئیس احمد جعفری کے ایامِ جوانی میں کیے گئے معاشقوں سے سیّد انیس شاہ جیلانی پردہ اُٹھاتے ہیں جس میں ایک موقع پر ان کی بیگم مصنف کے ہمراہ کسی لڑکی کے گھر جا کر اسے دھمکی آمیز لہجے میں باز رہنے کا مشورہ دیتی ہیں جب کہ ذرائع آمدن میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے کے باوجود سیّد انیس شاہ جیلانی جس طرح گھر کا نقشہ کھینچتے ہیں اس سے ان کے پھوہڑ پن اور غیر مہذب ہونے کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ رئیس احمد جعفری اٹارنی جنرل سے عدالت عالیہ کے جج بن گئے تاہم ان کا مالک مکان ہر مہینے کرایہ بڑھانے اور مکان خالی کرنے کی دھمکی دیتا۔ سیّد انیس جیلانی ان کے مزاج کا خاصہ دلچسپ انداز بیان کرتے ہیں۔:

> ''لکھنے پڑھنے سے وہ کہیں نہیں چوکتے تھے، بیت الخلا میں بغیر اخبار کے جانا ممکن ہی نہیں تھا، یہ بھی ایک لطیفے سے کم نہیں کہ روزنامہ 'زمین دار' لاہور کے تقریباً تمام اداریے بیت الخلا ہی میں لکھے گئے، مگر وہ خو بو جو اس مقام سے مخصوص ہے ان اداریوں میں نہیں پائی جاتی۔''[۱۱]

''آدمی غنیمت ہے'' کے آخر میں چند مکتوبات شامل کیے گئے۔ سیّد انیس شاہ جیلانی مکتوبات ضائع ہو جانے کے خدشے سے شائع کرنا فرض اوّلین سمجھتے ہیں۔ ''آدمی غنیمت ہے'' میں ان کا اسلوب سادہ اور بے ساختگی پر مبنی ہے۔ تاہم کئی موقعوں پر غیر ضروری طوالت کی وجہ سے خاکہ اکتاہٹ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حیدر قریشی[6] نے ''میری محبتیں'' کے عنوان سے خاکوں اور یاد داشت پر مبنی یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں لکھی۔ اس میں سب سے پہلا خاکہ انھوں نے اپنے والد محترم کی یاد داشتوں سے متعلق تحریر کیا۔ حیدر قریشی کے والد ۱۹۵۰ء میں اچانک بیمار ہو گئے اور انھیں

---

[6] حیدر قریشی ۱۳ / جنوری ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا کا شمار نامور ادیب، شاعر اور ادبی و صحافی شخصیت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ حیدر قریشی تاحال بسلسلۂ روزگار جرمنی میں مقیم ہیں۔ حیدر قریشی ادبی رسالہ ''جدید ادب'' پاکستان / جرمنی کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ حیدر قریشی کی درج ذیل تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔

۱۔ سلگتے خواب (غزلیں)	۲۔ عمر گریزاں (غزلیں، نظمیں، ماہیے)
۳۔ محبت کے پھول (ماہیے)	۴۔ دُعائے دل (غزلیں، نظمیں)
۵۔ روشنی کی بشارت (افسانے)	۶۔ قصے کہانیاں (افسانے)
۷۔ میری محبتیں (خاکے)	۸۔ سوئے حجاز (سفر نامہ)
۹۔ اُردو میں ماہیا نگاری (تحقیق)	۱۰۔ عہد ساز شخصیت

بیماری کی حالت میں دورے پڑتے رہتے اور وہ بعد میں بتاتے کہ انھیں چند نوجوان دباتے تھے نیز گھر میں نصب فانوس سے روشنی نکلتی اور اس کے ذریعے مختلف بزرگوں سے اس کی ملاقات ہوتی تھی۔ انھیں یقین ہو جاتا تھا کہ اب وہ مرنے والے ہیں لیکن انھیں دوبارہ زندگی گزارنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ وفات کے بعد والد محترم کی میت کو پھولوں سے ڈھک دیا گیا تھا اور یہ پھول لحد میں بھی ان کے ساتھ ہی اُتر گئے۔ حیدر قریشی کو گھر میں ہی یوں محسوس ہونے لگتا کہ جیسے ہر طرف پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں باباجی سے وضاحت طلب کی تو جواب ملا۔:

"اگر تم اس معاملے میں دوسروں سے بات نہ کرتے تو یہ خوشبو وقتاً فوقتاً تمھاری ماں اور تمہیں ملتی رہتی۔"[۱۲]

اس معاملے کی حقیقت اگرچہ باباجی کو ہی معلوم ہو گی تاہم یہ بات واضح طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اگر آنکھ خواب تخلیق کر سکتی ہے تو قوت شامہ بھی خوشبو تخلیق کر سکتی ہے۔ اس خاکے میں حیدر قریشی نے اپنے والد کو روحانی شخصیت کے طور پر پیش کرنے کے لیے رنگ آمیزی کی ہے اور یہ اسرار و رموز خاکے کے آغاز سے انجام تک برقرار رہا ہے۔

"مائے نی میں کینوں آکھاں" میں حیدر قریشی نے اپنی والدہ محترمہ کی شخصیت کے حوالے سے خاکہ لکھا۔ انھوں نے یہ لوری کو ثر پروین کی آواز کی بجائے اپنی والدہ سے سنی اور اسی نے انہیں پروان چڑھایا۔ اب بزرگی میں بھی حیدر قریشی ماضی کی یاد داشتوں میں کھو جاتے ہیں اور انھیں محسوس ہوتا ہے کہ ماں کہیں گود میں لے کر انھیں لوری سنا رہی ہے۔ جب حیدر قریشی کے والد کا کاروبار زوال کا شکار ہوا تو والدہ محترمہ نے تنگ دستی میں بھی کبھی شوہر سے شکوہ نہ کیا بلکہ ہمیشہ ان کی ڈھارس بندھائی۔ وہ اپنی والدہ کا خدا سے شکوہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔:

"امی جی نے بے حد تنگ دستی کے باعث ایک بار انتہائی دکھ کے ساتھ کہا: خدایا! تو کہیں ہے بھی سہی یا نہیں؟[۱۳]

حیدر قریشی خاکوں پر مبنی کتاب "میری محبتیں" میں انتہائی دلچسپ صورتِ حال اور واقعات کو شامل کر کے قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اپنے گھر اور خاندان سے دلچسپی انسان کی فطرت میں شامل ہے تاہم ان خاکوں میں انھوں نے اپنی گہری وابستگی کو جابجا اظہار کا عملی جامہ پہنا کر اس محبت پر مہر ثبت کی جو انھیں نہ صرف گھریلو سطح پر محبت کو پروان چڑھانے میں کلیدی حیثیت اختیار کرتے ہیں بلکہ دوستوں کے مابین بھی یہ سلسلہ برقرار رہتا ہے۔

۱۲۔ غزلیں، نظمیں، ماہیے (شعری تخلیقات کا مجموعہ) ۱۱۔ اُردو ماہیے کے بانی

حیدر قریشی نے جہاں عملی زندگی میں بہت سے محاذ کھولے اور ان محاذوں
پر کامیابی حاصل کی وہاں ادب میں بھی کئی اصناف میں کامیابی سے طبع آزمائی کی۔"
[۱۴]

حلیہ نگاری اور واقعات کے تسلسل میں کچھ خاکے یقیناً نہایت عمدہ ہیں تاہم بعض حیرت انگیز انکشافات کو بیان کر کے خاکے میں حقیقت نگاری کے حوالے سے مشکوک رویے کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اپنے بزرگوں سے جڑے واقعات میں بھی بعض اوقات مبالغہ آمیزی کا عنصر غالب آنے لگتا ہے تاہم لفظوں کے جوڑ توڑ میں مہارت رکھنے کی وجہ سے غیر معمولی صورتِ حال کو بھی معمولی پر لے آتے ہیں۔ حیدر قریشی کے خاکے خطہ بہاول پور میں لکھے گئے خاکوں کی روایت میں جان دار اضافے کا باعث سمجھے جاسکتے ہیں۔

سید مشہود حسن رضوی، قدرت اللہ شہزاد اور علی معین کی خاکہ نگاری بھی اپنی جگہ الگ معنویت کی حامل ہے۔ خطۂ بہاول پور کے مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والے خاکوں کا جائزہ لیا جائے تو اس حوالے سے بے شمار اہم شخصیات کے خاکے منظر عام پر آئے۔

اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے خاکوں کا جائزہ لیا جائے تو اس حوالے سے سب سے اہم خاکہ محمد خالد اختر کا "نخلستانِ ادب" میں 'ایک دوست کا مرقع' کے عنوان سے شائع ہوا، یہ خاکہ نامور ادیب اور شاعر احمد ندیم قاسمی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ یہ خاکہ احمد ندیم قاسمی کے حالاتِ زندگی اور تخلیقی سفر سے حقیقی معنوں میں روشناس کراتا ہے۔ محمد خالد اختر ان کے متعلق بیان کرتے ہیں۔:

"دنیا میں بعض ایسے لوگ ہیں جن کی آنکھیں دور اپنے اُفق پر لگی رہتی ہیں اور جو کچھ
بھی وہ وقتی طور پر کرتے ہیں۔ ان کی آشناؤں کے شہر کے مینار کبھی ان کی نظروں سے
اوجھل نہیں ہوتے۔"[۱۵]

روزنامہ "ستلج" میں خالدہ رفعت کے 'اُمِ دانش' کے نام سے کئی اہم خاکے شائع ہوئے، جن میں چودھری عبدالمجید اور علامہ منظور احمد رحمت سرفہرست ہیں۔

"ہماری شفیق ماں" کے عنوان سے خالدہ رفعت نے اپنی والدہ محترمہ کا شخصی خاکہ تحریر کیا ہے۔ وہ اپنی والدہ کی خوداعتمادی، وقار اور کم گوئی کو سراہتی ہیں۔ وہ ماں کی محبت کو ان لفظوں میں پیش کرتی ہیں۔:

"ماں زندگی میں ہی نہیں وہ تو گور سے بھی دُعا دیتی ہے کہ اس کی محبت امر ہوتی ہے۔"[۱۶]

"میرا دلبر میرا ساتھی" کے عنوان سے خالدہ رفعت نے اپنے شوہر فضل حمید کا شخصی خاکہ لکھا ہے۔ خالدہ رفعت اپنے شوہر کی عادات و اطوار کی بجائے اس مسرور کن احساس میں مبتلا ہیں کہ ان کا شوہر انتہائی فرماں بردار، غم گسار اور منکسر المزاج انسان ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں ایثار و قربانی کو اپنایا اور ہر وہ چیز اختیار کی جو خالدہ رفعت کی خواہش ہوتی۔ خالدہ رفعت اپنی بیماری کے تین سال گزارنے کے بعد دوبارہ زندگی کی طرف لوٹیں تو اپنے شوہر کے بارے میں یہ تاثر پیش کیا۔:

"مٹی کی طرح بھر بھرا سا، مٹا مٹا سا، جھکا ہوا یہ شخص مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں رب تعالیٰ سے بے ساختہ زندگی کے چند سال اور مانگ بیٹھی۔"[۱۷]

"یار من" کے عنوان سے جمشید احمد نے اپنے دوست منور کا خاکہ مرتب کیا ہے۔ جمشید احمد طنز و مزاح سے بھرپور انداز میں منور صاحب کی ادبی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔:

"اُردو ادب کے کئی بھاری بھرکم اور ثقیل الفاظ بھی ایجاد کر چکے ہیں۔ ایک بار فرمانے لگے یار جمشید! "مشتیدہ" کا مطلب کسی ڈکشنری میں نہیں مل رہا۔ ہم نے بھی دو چار لغت کی کتابیں چھان ماریں لیکن معانی نہیں ملے۔ زِچ ہو کر کہا کہ بھائی اس کتاب کا نام بتاؤ جس سے یہ لفظ پڑھا ہے۔ فرمانے لگے: "پڑھا وڑھا نہیں خود بنایا ہے۔"[۱۸]

اخبارات و رسائل کے اسی سلسلے کو آگے بڑھانے میں پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال، منور عثمانی، شبیر احمد، ن۔ ح۔ لکھویرا، محمد انور صابر، صدیق طاہر، ناصر حسنی، زاہد علی خان، سیّد زوار حسین شاہ، رمضان طاہر، نعمان فاروقی، محمد زاہد ڈوگر، محمد عارف جان، سیّد علی زیبان، ملک ابرار الحق اعوان، سیّد عبد العزیز بخاری، تفضل حسین اور علی ذوالقرنین نے اہم کردار ادا کیا۔ خاکہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ جس شخصیت پر خاکہ لکھا جائے اُس کی پوری شخصیت قاری پر واضح ہو جائے تاکہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں کا بھی پتا چل جائے۔ تاہم کئی خاکہ نگار نہ صرف واقعات تک محدود رکھتے ہیں بلکہ ہر شخصیت کے ساتھ اپنا تعلق اس طرح جوڑ دیتے ہیں کہ خاکہ محض تعلقات کی نوعیت اُجاگر کرتا ہے جب کہ اس شخص کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کہیں پیچھے چلے جاتے ہیں۔

اُردو ادب میں خاکہ نگاری کی تاریخ اگرچہ مختصر ہے تاہم اس صنف کا جائزہ لیں تو علمی، ادبی، معلوماتی اور فنی لحاظ سے یہ صنف خاصی جان دار ہے اور اپنے ارتقائی سفر کی جانب تیزی سے رواں دواں ہے۔ خطۂ بہاول پور میں خاکہ نگاری کی صنف میں بے

پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اس حوالے سے محمد خالد اختر، محمد کاظم، مسعود حسن شہاب دہلوی، سیّد انیس شاہ جیلانی، پروفیسر عطاء اللہ اعوان، طاہر محمود کوریجہ، حیدر قریشی، مشہود حسن رضوی، علی معین اور قدرت اللہ شہزاد نے فن خاکہ نگاری میں منفرد اندازِ تحریر سے اس خطے کی جان دار روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعجاز فاروقی، ''خاکہ نگاری فن و تنقید''(لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)ص۹

۲۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''خاکہ نگاری فن و تنقید''(لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز،، ۱۹۹۳ء)ص۱۰

۳۔ محمد طفیل، ''خاکہ نگاری فن و تنقید''(لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)ص۱۲

۴۔ نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر، ''نقوش''(لاہور: شخصیات نمبر، شمارہ مئی ۱۹۵۹ء)ص۷۵

۵۔ مسعود حسن شہاب، ''مشاہیر بہاول پور''(بہاول پور: اردو اکیڈمی، بار دوم، ۱۹۸۷ء)ص۲۹

۶۔ ایضاً، ص۱۷

۷۔ محمد کاظم، ''یادیں اور باتیں''(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)ص۱۷

۸۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، ''پاکستان پہلا خاکہ نگار''(اسلام آباد: مشمولہ ''اخبارِ اُردو''، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء)ص۲

۹۔ عطاء اللہ اعوان، ''ندیمانِ جمال''(بہاول پور: ۱۰/۱۶ ریاض کالونی،، اپریل ۱۹۹۶ء)ص۱۸

۱۰۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''خاکہ نگاری فن و تنقید''(لاہور: نذیر پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)ص۶۰

۱۱۔ انیس شاہ جیلانی، سیّد، ''آدمی غنیمت ہے''، ص۱۵۸

۱۲۔ حیدر قریشی، ''میری محبتیں''(دہلی: معیار پبلی کیشنز،، ۱۹۹۸ء)ص۱۹

۱۳۔ ایضاً، ص۲۲

۱۴۔ نذر خلیق، ڈاکٹر، ''حیدر قریشی کی ادبی خدمات''(خان پور: میاں محمد بخش پبلشرز، بار اوّل، ۲۰۰۳ء)ص۴۸

۱۵۔ مجلہ ''نخلستانِ ادب''(بہاول پور: گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، ۲۰۱۳ء)ص۸۲

۱۶۔ خالدہ رفعت، روزنامہ ''ستلج'' مدیر: فضل حمید،(بہاول پور، ۲۰/ جنوری ۱۹۹۹ء)ص۲

۱۷۔ خالدہ رفعت، روزنامہ ''ستلج''(بہاول پور: ۶/ اپریل ۲۰۰۵ء)ص۲

۱۸۔ مجلہ ''العباس''(ڈیرہ نواب صاحب: صادق عباس کالج، ۲۰۱۰ء)ص۱۴۶